ایک دینی تحریک کا تعارف

"جماعت اسلامی" کے مقاصد، اُس کا دستور، اور بعض دیگر بنیادی امور

از جناب مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدیر "الفرقان" بریلی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ

قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم - لَا یُؤمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ (او کما قال)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- تم میں سے کوئی اُس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے ہر دینی بھائی کے لیے وہی نہ چاہے جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے اور وہی نہ پسند کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

ایمان کی حقیقت سے واقف کوئی ایسا ایمان والا نہ ہوگا جس کے دل میں یہ جذبہ اور سینے میں یہ تڑپ نہ ہو کہ خود ہم اور دوسرے سارے مسلمان حقیقی معنوں میں مومن و مسلم ہو جائیں۔ ہماری زندگی ہدایت ربانی کے ماتحت ہو خدا ہم سے راضی ہو اور آخرت میں ہم خاسروں میں سے نہ ہوں۔ اور نہ صرف ہم بلکہ اولاد آدم کا زیادہ سے زیادہ حصہ نجات و فلاح کی اس راہ پر آجائے۔ اللہ کا دینِ حق سارے باطل دینوں پر اور اللہ کا کلمہ دوسرے تمام کلموں کے مقابلہ میں سربلند ہو۔ دنیا کا نظام اللہ کی مرضی کے مطابق ہو جس میں انسان کے لیے نیک بننا اور نیک بن کر جینا بد بننے اور بد بن کر جینے سے زیادہ آسان ہو۔ عزت و عظمت تقوے کی ہو اور خدا کے نافرمانوں اور ظالموں کے لیے صرف ذلت ہی ذلت ہو۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ تمنا اور یہ آرزو کسی "امر محال" کی تمنا اور آرزو نہیں ہے کہ صرف مزاحیہ فقروں، غیر سنجیدہ قہقہوں یا سنجیدہ قسم کے زیر لب تبسم سے اسکا استقبال کرکے معاملہ ختم کر دیا جائے۔

پھر یہ بھی ایک کھلی حقیقت ہے کہ صرف "جذبہ" اور "تڑپ" سے، صرف "تمنا" اور "آرزو" سے ان میں سے کوئی مقصد بھی حاصل نہیں ہو سکتا، بلکہ اسکے لیے ضرورت ہوگی عملی جدوجہد اور بے انتہا سعی و سرگردانی کی۔

پھر کوئی صاحب عقل و فہم غالباً اس سے بھی اختلاف نہیں کریگا کہ ان پاک مقاصد کے لیے اسی طریقہ پر جدوجہد اور اسی راہ پر تگ و دو کرنا صحیح ہوگا جو ان مقاصد سے مناسبت رکھتے ہوں اور جو اس منزل مقصود تک پہنچانے والے ہوں۔ دوسرے طریقوں پر جسقدر بھی جدوجہد کی جائیگی اور دوسری راہوں پر جتنی بھی تیزی اور سرگرمی سے چلا جائیگا نہ صرف یہ کہ ان مقاصد تک نہیں پہونچا جاسکیگا بلکہ غالباً اور زیادہ دوری بڑھتی جائیگی۔

پس جو شخص ان مقاصد پر ایمان رکھتا ہو اور یہ اسکو دوسری تمام چیزوں سے زیادہ عزیز ہوں اسکے لیے ضروری ہے کہ جس طرح وہ دنیا میں زندہ رہنے اور اپنی اولاد کی پرورش کے لیے ہر قسم کی مناسب کوشش کرنے کے لیے تیار رہتا ہے، اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ ان مقاصد کی تکمیل کے واسطے ہر ممکن جدوجہد کے لیے اپنے کو تیار کرے۔ پھر اسکے طریقہ کار اور راہ عمل کو سوچ سمجھے اور متوکلاً علی اللہ اس پر گامزن ہو جائے۔

تھوڑی سی میری سرگذشت بزرگو! دوستو! اور دینی بھائیو! یہ تھے وہ چند واضح تصورات جنھوں نے اب سے تین چار سال پہلے تفصیلی طور پر میرے دل و دماغ پر قبضہ کیا۔ اس وقت تک سیاسیات اور مذہبیات میں میری دلچسپیوں اور عملی سرگرمیوں کا ایک خاص رخ تھا۔ جس سے اکثر حضرات "الفرقان" دور قدیم کے ذریعہ ضرور واقف رہے ہونگے ــــــ جس وقت مذکورہ صدر خیالات کا دل و دماغ پر تسلط ہوا تو مجھے اپنی زندگی پر نظر ثانی کرنی پڑی اور میں اس نتیجہ پر پہونچا کہ سیاسیات میں جس مسلک سے عقیدۃً اتفاق (اور اس کے ساتھ بہت تھوڑا سا عمل بھی) اب تک رہا ہے وہ ان مقاصد کے لیے صحیح نہیں ہے

(اور یہ واقعہ ہے کہ وہ مسلک ان مخصوص مقاصد کو سامنے رکھکر وضع بھی نہیں کیا گیا ہے)۔ علیٰ ہذا مذہبی خدمات کے سلسلہ میں جس خاص شعبہ سے میری دلچسپی تھی بلکہ اُس وقت تک جس میں میرا پورا انہماک تھا (یعنی فرق باطلہ بالخصوص اہلِ بدعت کا مناظرانہ طریق پر رد) میں نے محسوس کیا کہ اگرچہ یہ بھی ایک دینی خدمت ہے، مگر مذکورۂ صدر مقاصد کا مطالبہ اُسکے طریق کو بدلنے اور دین کے اُن دوسرے شعبوں میں اُس سے زیادہ کام کرنے کے لیے ہے جنکا تعلق ان مقاصد سے براہِ راست اور قریب تر ہے۔ ان خیالات کا عملی زندگی پر یہ اثر پڑا کہ پچھلی سیاسی و مذہبی دلچسپیوں اور سرگرمیوں کا رُخ آپ سے آپ بدلنے لگا جسکا اندازہ دیکھنے والوں نے "الفرقان" ہی سے فرمایا ہوگا۔

اسکے بعد سے برابر یہ آرزو بلکہ حسب مقدور کوشش بھی رہی کہ کوئی جماعت ان مقاصد کو صحیح طور پر اپنا نصب العین بنا کر سرگرم عمل ہو تو اپنے کو اس سے وابستہ کردیا جائے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ کسی ایک فرد یا بہت سے منتشر افراد کی بھی مساعی اس کارِ عظیم کے لیے نتیجہ خیز نہیں ہوسکتیں۔ نیز اس کا مزاج بھی اجتماعیت کو چاہتا ہے اور سب سے بڑھکر یہ کہ دینی نقطۂ نظر سے بھی اسکی ضرورت ہے، اور یہی اسوۂ نبوی ہے۔ دکھی بہ تدریج

اُسی زمانہ میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے "دارالاسلام" کے نام سے ایک ادارہ کی بنیاد ڈالی۔ اُس سلسلہ کے پہلے اجتماع میں جس میں کہ اس ادارہ کی تاسیس ہوئی تھی، موصوف کی دعوت پر میں بھی شریک ہوا تھا۔ یہ ادارہ مقاصد اور طریق کار کے اعتبار سے بھی میری اس آرزو سے بہت مطابقت رکھتا تھا۔ لیکن اُس وقت میں نے اُس میں شرکت نہیں کی صرف اس لیے کہ اس کارِ عظیم کو چلانے کے لیے جن اوصاف و خصوصیات کی میں ضرورت سمجھتا تھا مولانا مودودی میں وہ چیزیں میں پوری طرح نہیں پاتا تھا۔

اسکے بعد سے میری جستجو یہ رہی کہ کوئی ایسا اللہ کا بندہ اس کام کو ہاتھ میں لے جو میری آرزوؤں کے مطابق ہر جہت سے "کامل و مکمل" ہو۔ اس آرزو کی تکمیل کے لیے اپنے مقدور کے مطابق سعی و کوشش اور تلاش و جستجو میں بھی غالباً کوئی کمی نہیں کی۔ اپنے کچھ محترم بزرگ تھے جنکی طرف رہ رہ کے نگاہ جاتی تھی۔ انکو دوسرے دینی کاموں میں اتنا منہمک یا آج کل کی سیاستکاریوں سے اتنا مانوس و مالوف پایا کہ

وہ اُس سے ہٹ کر پوری طرح اِدھر آنے کے لیے تیار نہ ہو سکتے تھے۔ وہ اپنی عمروں کا بڑا حصہ اپنی صوابدید کے مطابق جن کاموں اور جن راہوں میں صرف کر چکے ہیں اُن کے لیے اُس سے یکایک بازگشت کر جانا بہ نسبت ہم جیسوں کے یقیناً بہت مشکل بھی تھا۔

میں یہاں بہت صفائی سے یہ بھی عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ اس دوران میں اپنے آپکو بھی میں نے بار بار جانچا اور تولا اور ہر دفعہ فی ما بینی و بین اللہ میں نے یہی فیصلہ کیا کہ اس کام کے لیے جن خاص صلاحیتوں کی ضرورت ہے، وہ مجھ میں موجود نہیں ہیں، اس لیے اس مقصد کے لیے خود ہی اٹھ کھڑے ہونے کی ہمت نہ کر سکا اور آگے چلنے والے کی تلاش کا سلسلہ جاری رہا۔

تلاش و جستجو کے اس طویل سلسلہ میں بہت سے ایسے نامعروف اور خاموش بندگان خدا کا پتہ بھی لگا جو اس مقصد کے لیے اپنے سر میں مجھ سے بدرجہا زیادہ سودا اور سینہ میں مجھ سے کہیں سوا تڑپ رکھتے تھے، ان میں بعض وہ بھی تھے جن کو میں نے اپنے خیال میں اُن صلاحیتوں اور خصوصیتوں کا حامل یقین کیا جنکو میں ضروری سمجھتا تھا۔ لیکن اُن سب کا فیصلہ میں نے یہی پایا کہ ہم اس کارِ عظیم کی ذمہ داری کا بار سنبھالنے کے قابل نہیں ہیں، ہاں کوئی اللہ کا بندہ اس راہ پر آگے بڑھنے کے لیے تیار ہو تو ساتھ چلنے والوں میں انشاء اللہ ہم بھی ہونگے ـــــ قریب قریب یہی تھا میری دو سال کی تلاش و جستجو کا حاصل۔

تلاش و جستجو کی اس ناکامی کو بھی میں نے اپنے لیے کافی عذر نہ سمجھا۔ اور اب میں نے طے کر لیا کہ "ہر جہت سے کامل و مکمل انسان" اگر نہیں ملتا تو اس کے انتظار میں ہاتھ پہ ہاتھ دھر بیٹھا رہنا غلط ہے۔ جب مقصد کی صحت پر ہمارا ایمان ہے اور ہم خود بہت ناقص ہیں، تو اگر کوئی ایسا اللہ کا بندہ میدان میں اُترنے کے لیے تیار ہو جائے جو فی الجملہ ہم سے بہتر ہو اور اس مقصد کے لیے کام کرنیکے واسطے جن مخصوص صلاحیتوں کی ضرورت ہے، وہ اُن میں سب ہم سے اچھا ہو تو اسکے ساتھ ہو لینا چاہیے۔ بہر حال "مرد کامل" کی تلاش و جستجو کی اُس ناکامی کے بعد کم از کم اپنے حق میں میں نے یہی فیصلہ کر لیا۔

"جماعت اسلامی" کی تاسیس مجھے اس آخری فیصلہ پر پہنچے چند ہی دن گزرے ہونگے کہ رسالہ "ترجمان القرآن" لاہور کے محرم ۱۳۶۰ھ کے پرچہ میں (جو غالباً ربیع الثانی میں شائع ہوا تھا) اسی مقصد کے لیے ایک جماعت کی تشکیل کی ضرورت کی طرف مولانا مودودی نے پھر خصوصی طور پر توجہ دلائی اور اسکا اجمالی خاکہ بھی پیش کیا — اسکے بعد ماہ صفر کے "ترجمان" میں (جو غالباً رجب میں شائع ہوا تھا) ایک عام دعوت دی گئی کہ جو لوگ اس نظریہ سے متفق ہوں اور اس طرز پر کام کرنے کے لیے تیار ہوں وہ اپنے ارادہ سے اطلاع دیں ——— پھر جن لوگوں نے اس کے لیے آمادگی کی اطلاع دی اُن سے استدعا کی گئی کہ وہ یکم شعبان ۱۳۶۰ھ (۲۵ اگست ۱۹۴۱ء) کو لاہور پہونچ جائیں - چنانچہ جن حضرات کو یہ اطلاع دی گئی تھی قریب قریب وہ سب ہی حضرات پہونچے - ان میں اکثر حضرات تو ایسے تھے جو انفرادی طور پر آئے تھے - لیکن کچھ حضرات وہ بھی تھے جنکو کسی ایک جگہ کے چند ہم خیال افراد نے اپنی نمائندگی کا بھی حق دیکر بھیجا تھا - یہ حضرات تعداد میں پچھتر تھے - راقم سطور بھی ان میں سے ایک تھا - یہ اجتماع چار پانچ دن تک جاری رہا - اسکی مفصل روداد الگ شائع ہو چکی ہے[۱] - یہاں مجھے اس اجتماع کے صرف نتیجہ سے آپ حضرات کو باخبر کرنا ہے -

ان حضرات نے مجتمعاً و منفرداً بہت کچھ تبادلۂ خیالات کے بعد جماعت کے اساسی عقیدے، نصب العین، نظامِ جماعت، اور ابتدائی لائحۂ عمل کے متعلق ان نقاط پر اتفاق کیا جو "دستور جماعت اسلامی" کے نام سے شائع ہو چکے ہیں - اس دستور کا ابتدائی مسودہ مولٰنا مودودی صاحب ہی کا تیار کیا ہوا تھا - لیکن جماعت کی مشاورت اور مبادلۂ افکار کے بعد حذف و اضافہ یا تبدیل کی صورت میں اُس میں کچھ ترمیمیں بھی ہوئیں اور اب جو دستور شائع ہوا ہے یہ وہی طے شدہ دستور ہے -

جماعت کی امارت دستور کے آخری حصہ میں "امارت" کے متعلق جو دفعہ ہے وہ اصل مسودہ میں نہیں تھی -

[۱] یہ روداد صرف محصول ڈاک کے لیے ۱/ کے ٹکٹ بھیجکر دفتر "ترجمان القرآن لاہور" اور دفتر "الفرقان بریلی" سے بھی طلب فرمائی جا سکتی ہے -

دستور کی تکمیل کے بعد جب تمام شرکار اجتماع نے اس دستور والی جماعت میں منسلک ہونا طے کر لیا، یا بالفاظ دیگر ایک مقصد اور اسکے حصول کے لیے جدوجہد کرنے پر اتفاق کر کے جب "ایک جماعت" بن گئے تو یہ سوال اٹھا کہ جماعتی نظم کے لیے ہم کو کیا شکل اختیار کرنا چاہیے؟ بالآخر بہت غور و فکر اور طویل بحث و تنقیح کے بعد اجتماع اس نتیجہ پر متفق ہوا کہ جماعت ایک امیر کے زیر ہدایت و سیادت کام کرے جیسا کہ نصوص شرعیہ اور سنت سلف اسکے لیے رہنمائی کرتے ہیں۔ بہرحال جماعت نے اپنے لیے نہ ڈکٹیٹری کے نظام کو قبول کیا اور نہ یورپ سے سیکھی ہوئی اس جمہوریت کو جس پر آج ہندوستان کی اکثر سیاسی جماعتیں چل رہی ہیں بلکہ "شوروی امارت" کے اسلامی اصول ہی کو اختیار کیا، اور امیر کی پوزیشن اور جماعت میں اسکا مقام متعین کرنے کے لیے اسکے متعلق ایک مفصل دفعہ بھی دستور میں شامل کر دی جو یہاں نقل کی جاتی ہے:-

دستور کی دفعہ نمبر ۱۰ متعلقہ امارت

اس جماعت کا ایک امیر ہوگا جسکی حیثیت "امیر المومنین" (باصطلاح معروف) کی نہ ہوگی بلکہ صرف اس جماعت کے رہنما کی ہوگی۔ اسکی اطاعت فی المعروف جماعت کے کل افراد اپنے امیر (باصطلاح شرعی) کی حیثیت سے کرینگے۔ امیر کے انتخاب میں تقویٰ، علم دین میں بصیرت، اصابت رائے، اور عزم و حزم کو ملحوظ رکھا جائیگا۔ جماعت کی دعوت اپنے عقیدہ اور نصب العین کی طرف ہوگی نہ کہ اپنے امیر کی شخصیت اور اسکی امارت کی طرف۔ جماعت کی نظر میں انتخاب کے وقت جو شخص بھی مذکورۂ بالا اوصاف کے لحاظ سے اہل تر ہوگا اسکو وہ اس منصب کے لیے منتخب کرے گی۔

امیر کی خدا ترسی و احساس ذمہ داری سے یہ توقع کی جائیگی کہ اپنے سے زیادہ اہل آدمی کے آجانے پر وہ خود اس کے لیے جگہ خالی کر دیگا۔ نیز ایسی صورت میں جبکہ جماعت اپنے نصب العین کے مفاد کے لیے ضرورت محسوس کرے وہ امیر کو معزول کرنے کی بھی مجاز ہوگی۔"

امارت کے متعلق یہ اصول طے کر لینے کے بعد ساتھ ہی جماعت کے سامنے انتخاب امیر کا سوال آ گیا۔ امیر میں جو اوصاف ہونے چاہئیں انکے لحاظ سے بحیثیت مجموعی مولٰنا مودودی سے زیادہ بہتر بلکہ ان کے برابر بھی ہم شرکاء اجتماع نے اپنے میں کسی اور کو نہیں پایا۔ اس لیے سب نے انہی کے متعلق رائے ظاہر کی اور انہی سے اسکو قبول کرنے کی درخواست کی ۔ چنانچہ وہی جماعت کے امیر منتخب ہوئے ۔

مولٰنا مودودی صاحب نے انتخاب امارت سے پہلے اور بعد میں جماعت کی قیادت و امارت کے متعلق شرکاء اجتماع کے سامنے چند باتیں کہی تھیں ۔ انکا اس جگہ نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے ۔ اجتماع کی ابتدائی تمہیدی تقریر میں اس بارہ میں آپ نے فرمایا تھا :۔

میرے متعلق کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہیے کہ جب دعوت میں نے دی ہے تو آئندہ اس تحریک کی رہنمائی کو بھی میں اپنا ہی حق سمجھتا ہوں ۔ ہرگز نہیں ، نہ میں اسکا خواہشمند ہوں ، نہ اس نظریہ کا قائل ہوں کہ داعی کو ہی آخر کار لیڈر بھی ہونا چاہیے ، نہ مجھے اپنے متعلق یہ گمان ہے کہ اس عظیم الشان تحریک کا لیڈر بننے کی اہلیت مجھ میں ہے ، اور نہ اس کام کی بھاری ذمہ داریوں کو دیکھتے ہوئے کوئی صاحب عقل آدمی یہ حماقت کر سکتا ہے کہ اس بوجھ کے اپنے کندھوں پر لادے جانے کی خود تمنا کرے ۔ درحقیقت میری غایت تمنا اگر کچھ ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ ایک صحیح اسلامی نظام جماعت موجود ہو اور میں اُس میں شامل ہوں ۔ اسلامی نظامِ جماعت کے ماتحت ایک چپراسی کی خدمت انجام دینا بھی میرے نزدیک اس سے زیادہ قابلِ فخر ہے کہ کسی غیر اسلامی نظام میں صدارت اور وزارتِ عظمٰی کا منصب مجھے حاصل ہو ۔ لہذا اس مفروضہ پر نہ چلیے کہ جس طرح تشکیل جماعت سے پہلے سارے کام میں اپنی ذمہ داری پر چلاتا رہا ہوں اُسی طرح تشکیل جماعت کے بعد بھی میں ہی آپ سے آپ امارت کا کام

اپنے ہاتھ میں لے لونگا یا لینا چاہونگا۔ جماعت بن جانے کے بعد میری اب تک کی حیثیت ختم ہو جاتی ہے، آئندہ کے کام کی پوری ذمہ داری جماعت کی طرف منتقل ہوئی جاتی ہے اور جماعت اپنی طرف سے اس ذمہ داری کو جس کے بھی سپرد کرنے کا فیصلہ کرے اُس کی اطاعت اور خیر خواہی اور اُس کے ساتھ تعاون کرنا ہر فرد جماعت کی طرح میرا بھی فرض ہوگا۔" (رودادِ اجتماع ص۹-۱۰)

پھر جب جماعت نے مودودی صاحب ہی کو امارت کے لیے منتخب کیا اور جماعت کا امیر بنایا تو اُس وقت آپ نے جو تقریر کی اسکا ابتدائی حصہ یہ تھا:-

"میں آپ کے درمیان نہ سب سے زیادہ علم رکھنے والا تھا، نہ سب سے زیادہ متقی، نہ کسی اور خصوصیت میں مجھے فضیلت حاصل تھی۔ بہر حال جب آپنے مجھ پر اعتماد کرکے اس کارِ عظیم کا بار میرے اوپر رکھدیا تو میں اب اللہ سے دعا کرتا ہوں اور آپ لوگ بھی دعا کریں کہ مجھے اس بار کو سنبھالنے کی قوت عطا فرمائے اور آپ کے اس اعتماد کو مایوسی میں تبدیل نہ ہونے دے۔ میں اپنی حدِ وسع تک انتہائی کوشش کرونگا کہ اس کام کو پوری خداترسی اور پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ چلاؤں۔ میں قصداً اپنے فرض کی انجام دہی میں کوئی کوتاہی نہ کرونگا۔ میں اپنے علم کی حد تک کتاب اللہ و سنت رسول اللہ اور خلفاءِ راشدین کے نقشِ قدم کی پیروی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھونگا۔ تاہم اگر مجھ سے کوئی لغزش ہو اور آپ میں سے کوئی محسوس کرے کہ میں راہِ راست سے ہٹ گیا ہوں تو مجھ پر یہ بدگمانی نہ کرے کہ میں عمداً ایسا کر رہا ہوں، بلکہ حسن ظن سے کام لے اور نصیحت سے مجھے سیدھا کرنے کی کوشش کرے۔ مجھے اس تحریک کی عظمت

اور خود اپنے نقائص کا پورا احساس ہے . . . مجھے ایک لمحہ کے لیے بھی اپنے بارے میں یہ غلط فہمی نہیں ہوئی کہ میں اس عظیم الشان تحریک کی قیادت کا اہل ہوں، بلکہ میں تو اس کو ایک بدقسمتی سمجھتا ہوں کہ اس وقت اس کارِ عظیم کے لیے آپ کو مجھ سے بہتر کوئی آدمی نہ ملا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اپنے فرائض امارت کی انجام دہی کے ساتھ میں برابر اس تلاش میں رہونگا کہ کوئی اہل تر آدمی اس کام کا بار اٹھانے کے لیے مل جائے۔ اور جب میں ایسے کسی آدمی کو پاؤنگا تو خود سب سے پہلے اُس کے ہاتھ پر بیعت کرونگا۔ نیز میں ہمیشہ ہر اجتماع عام کے موقع پر جماعت سے بھی درخواست کرتا رہونگا کہ اگر اب اُس نے کوئی مجھ سے بہتر آدمی پالیا ہے تو وہ اُسے اپنا امیر منتخب کرے، اور میں اس منصب سے بخوشی دست بردار ہو جاؤنگا۔ بہرحال میں انشاءاللہ اپنی ذات کو کبھی خدا کے راستہ میں سدِ راہ نہ بننے دونگا۔" (روداد اجتماع صفحہ ۱۹-۲۰ مختصراً)

اس انتخاب "امارت" کے متعلق یہ چیز ملحوظ رکھنے کی ہے کہ یہ انتخاب "امیر المومنین" یا "امیر الہند" کا نہیں ہے اور نہ ہم کو یہ حق ہے کہ اپنی رائے سے کسی کو مسلمانانِ ہند کا امیر منتخب کر دیں اور وہ ان کے لیے واجب التسلیم اور واجب الاطاعت ہو۔ بلکہ "جماعت اسلامی" کی تاسیس کے اس اجتماع میں جو لوگ شریک تھے انھوں نے ہدایات نبوی کے پیش نظر جن میں مسلمانوں کی چھوٹی سے چھوٹی جماعت کے لیے بھی ایک امیر کا ہونا ضروری بتلایا گیا ہے، صرف اس جماعت کے لیے "امیر" کا انتخاب کیا ہے ــــ "دستور" کی دفعہ متعلقہ امارت میں جو ابھی نقل ہو چکی ہے اگرچہ اس کی صراحت اور وضاحت موجود ہے، لیکن پھر بھی کچھ اللہ کے بندے ہیں جو صرف امارت کا لفظ سُن کر شور مچا رہے ہیں کہ لاہور میں جمع ہونے والے ان چند

آدمیوں کو کیا حق تھا کہ انھوں نے ملک کے تمام ارباب حل و عقد کو جمع کیے بغیر امیر کا انتخاب کر ڈالا۔ کاش اس قسم کے حضرات "دستور" کو ایک نظر دیکھ ہی لیتے۔

جماعت میں شرکت کا فیصلہ جماعت میں میری شرکت اور اس پر میرے اطمینان کے اسباب میں نے پہلی ہی دعوت پر کیوں کر لیا؟ اس کی وجہ آپ کو اُن سطروں سے معلوم ہو گئی ہو گی جو شروع میں میں نے "تھوڑی سی اپنی سرگذشت" کے زیر عنوان لکھی ہیں کہ میں اس جماعت کی تاسیس سے بہت پہلے طویل تعطل سے تنگ آ کر اپنے حق میں یہ فیصلہ کر چکا تھا، اور اس لیے لاہور کے اس "اجتماع" کے لیے میں جب گھر سے روانہ ہوا تھا تو جماعت میں شرکت ہی کے ارادہ سے چلا تھا ــــــ لیکن اجتماع کے چند مشاہدات میرے لیے مزید ترغیب و طمانیت کا باعث ہوئے، اور انھوں نے رہے سہے تردد کو بھی طمانیت سے اور فکر کی بعض اُلجھنوں کو بصیرت سے بدل دیا اور اس طرح میں نے طمانیت و بصیرت کے ساتھ اپنے کو اس جماعت سے وابستہ کر دینا ہی اپنے حق میں بہتر بلکہ ضروری سمجھا۔ وہ چند مشاہدات یہ تھے :۔

(۱) جماعت میں شرکت کے لیے جو لوگ مختلف مقامات سے آئے تھے نہ صرف ان کی گفتار سے بلکہ عام طرز عمل سے بھی اخلاص فی اللہ اور دینداری کا رجحان میں نے نمایاں پایا۔

(۲) یہ لوگ عموماً اس جماعت اور دوسری عام سیاسی جماعتوں اور اداروں کے فرق کو سمجھنے والے تھے۔

(۳) ان میں (میری توقع کے خلاف) "باضابطہ علماء" کی بھی خاصی تعداد تھی (غالباً دس بارہ حضرات ہوں گے)۔ ان میں مختلف مسلکوں کے اور مختلف مکاتب خیال کے فیض یافتہ حضرات تھے مثلاً مجھ جیسے دیوبندی حنفی بھی، اور پھلواروی اور ندوی بھی، نیز سلفی المسلک اہل حدیث بھی۔ مگر بحمد اللہ سب ان مسالک کے جزوی اختلاف کے حدود کو صحیح طور پر سمجھنے والے اور وقت کے دینی تقاضوں کا احساس

رکھنے والے تھے۔

(۴) انگریزی تعلیم یافتہ اور اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات بھی خاصی تعداد میں تھے۔ مگر میں نے ان میں اور کالجوں اور یونیورسٹیوں سے نکلنے والے آج کے عام تعلیم یافتوں میں خاص فرق محسوس کیا۔ ان میں دین کا جذبہ اور اکثر میں دین کی سمجھ اور اسکے مطابق عمل بھی تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ مولٰنا مودودی کی دعوت نے اس طبقہ کے صرف انہی دلوں کو اپیل کیا ہے جن میں اللہ اور اس کے دین کے لیے اچھی جگہ ہے۔ پھر جب ہر ایک کے تفصیلی حالات معلوم کرنے کا موقع ملا تو اُن میں سے بہت سوں کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ پہلے "آزاد" "بلکہ" "آوارہ مزاج" قسم کے نوجوان تھے۔ مودودی صاحب کے مضامین و مقالات نے اُن میں دین کے احساس کو تازہ کیا اور اس طرح ان میں یہ خوش گوار تبدیلی پیدا ہوئی۔

(۵) علاوہ اور چیزوں کے ان "جدید تعلیم یافتہ" حضرات میں ایک خاص چیز میں نے یہ محسوس کی کہ وہ قریب قریب سب ہی اس کا احساس رکھتے تھے کہ "جماعت اسلامی" جس کام کو لے کر اُٹھ رہی ہے وہ خالص دین ہے اس لیے اس میں بڑی حصہ داری اور ذمہ دارانہ رائے زنی کے لیے علم دین کی ضرورت ہے۔ کسی اجتماعی کام کے متعلق یہ احساس و اعتراف آج کل کے انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ میں بالکل مفقود ہوتا جا رہا ہے اور نتائج کے لحاظ سے یہ بڑی خطرناک چیز ہے۔ اس لیے مجھے اسکی بڑی قدر ہوئی۔

(۶) سب سے زیادہ جس چیز سے میں متاثر ہوا وہ اس اجتماع کا یہ اصول اور طرزِ عمل تھا کہ ہر معاملے میں کتاب و سنت اور صحابہ کرام کا طریق عمل ہمارے لیے حکم ہوگا۔ اجتماع میں جو کچھ ہوا وہ اسی اصول کے ماتحت ہوا۔ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ بعض امور میں رائیں مختلف ہوئیں مگر کتاب و سنت یا تعامل صحابہ کرام سے جب کسی ایک جانب کی ترجیح معلوم ہوگئی تو سب نے بلاچون وچرا اسی کو تسلیم کر لیا۔ حتیٰ کہ جماعت کے

آئین کے بارہ میں بھی صرف انہی اصول دین کو چراغ راہ بنایا گیا ——— میرا دل اس چیز سے اس لیے بہت زیادہ متاثر ہوا کہ مجھے مسلمانوں کی اُن بہت سی سیاسی یا نیم سیاسی و نیم مذہبی جماعتوں کی مجالس خاصہ وعامہ میں جو بیسیوں برس سے اپنی صوابدید کے مطابق مسلمانوں کی خدمت کر رہی ہیں، بارہا حاضری بلکہ شرکت کا موقع ملا ہے - وہاں میں نے زیر غور مسائل میں اس پہلو سے غور ہوتا بہت کم دیکھا یا بالکل نہیں دیکھا - اور نظام کار تو وہاں کا بالکل ہی یورپین جماعتی اصولوں سے ماخوذ پایا - ایک دفعہ نہیں بلکہ بارہا کا میرا مشاہدہ ہے کہ ان مجالس میں جب کوئی آئینی بحث آپڑی تو اگر وہاں کوئی سینٹرل اسمبلی یا صوبجاتی اسمبلی کے ممبر موجود ہوئے تو ان سے استصواب کیا گیا کہ اس بارہ میں آپ کے یہاں کا طریقہ کیا ہے، اور معلوم ہونے پر اسی کے مطابق عمل کیا گیا - اس سے میرا مقصد اُن جماعتوں پر تنقید نہیں ہے بلکہ میں صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ بگڑے ہوئے اس زمانہ میں جبکہ دُنیا نے ان امور میں کتاب و سنت اور اسوۂ نبوی و تعامل سلف کی اقتدار عملاً چھوڑ دی ہے، کسی جماعت کا اس بھولے ہوئے سبق کو پھر یاد کرنا اور عملاً اس کا التزام کرنا کم از کم میرے لیے بیحد طمانیت اور بہت زیادہ کشش کا باعث ہوا -

ہم لوگوں کے قصور علم کے باعث یہ ممکن ہے کہ کسی معاملہ کے متعلق نقطۂ صواب تک پہنچنے سے قاصر رہے ہوں اور ہمارا فیصلہ نفس الامر میں صحیح نہ ہو لیکن یہ واقعہ ہے کہ ہم سب نے فیما بیننا و بین اللہ اسکی پوری کوشش کی ہے کہ کتاب و سنت کی رہنمائی ہی میں ہمارا قدم اُٹھے - واللہ الموفق!

بہر حال یہ تھیں وہ چند خاص چیزیں جو میرے لیے "جماعت اسلامی" میں شرکت کے بارہ میں مزید رغبت و طمانیت کا باعث ہوئیں اور اب بحمد اللہ پوری طمانیت و بصیرت کے ساتھ میرا یہی فیصلہ ہے

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار بگذارند و سرے طرۂ یارے گیرند

واقعاتی اس مختصر سی روداد کو پیش نظر رکھ کر "جماعت" کا "دستور" ملاحظہ کیجیے جو اس کے بنیادی

عقیدے، نصب العین، اور نظام جماعت پر مشتمل ہے اور اپنی دینی ذمہ داریوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے حق میں خود فیصلہ کیجیے کہ اعلاءِ کلمۃ الحق اور قانون خداوندی کی سربلندی کے لیے اس جماعت کی شرکت و رفاقت اور اسکے ساتھ تعاون خدمتِ دین کی ایک اعلیٰ صورت ہے یا نہیں؟ اور اس سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور آخرت کی بہبودی کی توقع کی جا سکتی ہے یا نہیں؟ نیز یہ بھی آپ سوچیں کہ اگر کوئی جماعت اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے آج اٹھنا چاہے تو کیا اسکے لیے اسکے سوا کوئی اور نظام یا کوئی اور طریق کار ہو سکتا ہے؟ پھر خواہ آپ کا فیصلہ اپنے حق میں کچھ ہو اگر آپ کو علم دین کی نعمت اللہ نے دی ہے تو خدا کا واسطہ دے کر ہم آپ سے عرض کرتے ہیں کہ اس "دستور" میں بلکہ جماعت کی تشکیل کے پورے سلسلہ میں کتاب و سنت اور اسوۂ نبوی کے نقطۂ نظر سے اگر ہم سے کوئی غلطی آپ کے نزدیک ہو رہی ہے تو للہ ہم کو اس پر ضرور متنبہ فرمائیے تاکہ غور کر کے ہم اسکی اصلاح کر سکیں۔ فوق کل ذی علم علیم پر ہمارا ایمان ہے۔ ہم ناقص العلم بشر ہیں اور ہم سے غلطی ہو سکتی ہے۔ لیکن براہ کرم کتاب و سنت اور اپنے ذاتی فہم و فکر یا تجربہ کو گڈمڈ نہ کیجیے۔ اگرچہ آپکے فہم و فکر اور تجربات سے استفادہ سے بھی ہم کو استنکاف نہ ہو گا۔

بعض شکوک و شبہات اور ان کے جوابات

خدا کا شکر ہے ہم اپنے کو تنقید سے بالاتر نہیں سمجھتے اور یقین رکھتے ہیں کہ دوسروں کی طرح ہم سے بھی غلطیاں ہو سکتی ہیں، اس لیے نیک نیتی کے ساتھ جو تنقید ہماری رائے اور ہمارے کام پر کی جائے اور جو کوشش ہماری اصلاح کے لیے کسی طرف سے عمل میں آئے ہم پوری خوش دلی کے ساتھ اس پر غور کرنے کے لیے اپنے کو تیار پاتے ہیں۔ ان چند ہی دنوں میں بعض حضرات کی مخلصانہ تنقیدوں اور مصلحانہ مشوروں سے جہاں ہم نے فائدہ اٹھایا وہیں کچھ سوالات اور شکوک و شبہات اس قسم کے بھی سامنے آئے جو اگرچہ محض کسی غلط فہمی یا کم غوری کا نتیجہ ہیں لیکن بہت سے دلوں میں پیدا ہو سکتے ہیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم ان سوالات اور شبہات کے جوابات بھی یہاں عرض کر دیے جائیں تاکہ ناظرین میں سے کسی صاحب کے دل میں اگر ان میں سے کوئی خلجان پیدا ہو تو ان کو جواب حاصل کرنے کی زحمت نہ اٹھانا پڑے۔

(۱) کسی نئی جماعت کی تشکیل اور کسی جدید تحریک کے آغاز کا ذکر سنتے ہی بعض حضرات کے دل میں سب سے پہلا خیال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جماعتوں، انجمنوں اور تحریکوں کی مسلمانوں میں پہلے ہی سے کیا کمی ہے جو ایک جدید جماعت کی تشکیل کی ضرورت محسوس کی گئی اور ایک نئی تحریک کے کھڑا کرنے کا قصد کیا گیا۔

یہ سوال بہت سے دلوں میں پیدا ہوتا ہے اور پیدا ہو سکتا ہے۔ لیکن ایسے حضرات اگر صرف اعتراض کا فرض ادا کر دینا ہی نہیں بلکہ سنجیدگی سے معاملہ کو سمجھنا چاہتے ہیں تو ان کو غور کرنا چاہیے کہ اگر دین کا مطالبہ اور وقت کا تقاضا کسی خاص نہج پر کام کرنے کا ہو اور پہلے سے موجود رہنے والی جماعتیں اور انجمنیں (خواہ اپنی غفلت کی وجہ سے اور خواہ اس لیے کہ وہ اس کو دینی مطالبہ اور وقتی تقاضا ہی نہ سمجھتی ہوں) اس طرف توجہ نہ کریں اور بار بار توجہ دلانے پر بھی اس فرض کو ادا کرنے کے لیے آمادہ نہ ہوں تو جو لوگ دیانت داری سے اس کو دین کا مطالبہ اور اسلام کا وقتی فریضہ سمجھتے ہیں، اُن لوگوں کے لیے اس کے سوا کیا چارۂ کار رہ جاتا ہے کہ وہ خود ہی پھر اس کے لیے کمرِ ہمت باندھیں، اور اگر وہ کام کسی جماعت کے بغیر انجام نہیں پا سکتا تو پھر خود ہی اس کے لیے "جماعت" بھی بنائیں ــــ اگر اس سوال کے کرنے والے حضرات کو معلوم نہیں ہے تو اب معلوم ہونا چاہیے کہ پہلے برسوں تک ہندوستان کی تمام موجودہ موقر اسلامی جماعتوں کو مخاطب کر کے یہ عرض کیا گیا کہ وہ اس چیز کو اپنا نصب العین بنائیں اور اس طریق پر کام کریں۔ لیکن جب پکارنے والے کو مسلسل لم یزدھم دعائی الا فراراً ہی کا تجربہ ہوتا رہا اور کسی ایک جماعت نے بھی اس راہ پر آنا پسند نہ کیا تو اس کے سوا کیا کیا جا سکتا تھا کہ جو لوگ اس نصب العین اور اس طریق کار کو صحیح سمجھتے تھے وہ خود ہی ایک جماعت بن کر اٹھنے کا فیصلہ کر لیں؟ بلکہ یہ

فیصلہ کر لینے کے بعد بھی جماعت کی تشکیل سے چار ماہ پہلے "ترجمان القرآن" ہی کے ذریعہ ایک آخری اعلان کیا گیا کہ "دین کا مطالبہ اور وقت کا تقاضا یہ کام اس طرح کرنے کے لیے ہے اور ہمارے سامنے اس کے لیے یہ خاکہ ہے۔ اگر مسلمانوں کی موجودہ کارکن جماعتوں میں سے کوئی اسکو اختیار کرے تو پھر ہماری خدمات اسکے ساتھ ہیں، ورنہ اس کے لیے نئی جماعت کی تشکیل ناگزیر ہوگی اور مجبوراً ہم کو کرنی پڑے گی"۔۔۔۔۔ پھر جب پہلی پکاروں کی طرح یہ آخری اعلان بھی "صدا بصحرا" ہی ثابت ہوا تو ہمکو اسی فیصلہ پر عمل کرنا پڑا ورنہ کسی سر پھرے کو اسکی کیا ضرورت ہوتی کہ وہ اتنی بڑی ذمہ داری اپنے سر لے اور غیروں کی طرف سے آنے والے خطرات کے علاوہ اپنوں کے "گلفشر آمیز پند" کا نشانہ بھی بنے۔

(۲) بعض حضرات نے جماعت کا "دستور" وغیرہ دیکھ کر فرمایا۔۔۔۔ اس میں تو کوئی بھی نئی بات نہیں، اس قسم کی ایک جماعت قریب ہی زمانہ میں فلاں مولانا صاحب نے بھی بنانی چاہی تھی، یہ بس اسی کا "تازہ اڈیشن" ہے۔

گویا ان بندگان خدا کے نزدیک کسی کام کے غلط اور فضول ہونے کی یہ بھی ایک دلیل ہے کہ "یہ کام پہلے بھی کیا جا چکا ہے"۔۔۔۔۔ خدا کے بندو! کوئی صحیح اور ضروری کام اگر ہزار بار بھی کیا جا چکا ہے، تو صرف اس وجہ سے آج وہ کیوں غلط اور فضول ہو سکتا ہے کہ وہ پہلے بھی ہو چکا ہے ہمارا تو کہنا ہی یہ ہے کہ ہم کوئی بالکل نیا اور اچھوتا کام لیکر کھڑے نہیں ہو رہے ہیں بلکہ دنیا کی طویل عمر میں یہ کام ہزاروں بار ہو چکا ہے۔

ہمارے پیش نظر اللہ کے دین اور اسکے پیغمبروں کے لائے ہوئے پیغام کی خدمت اور اسکی سربلندی ہی تو ہے۔ یہ کام اپنے اپنے وقت میں ہر پیغمبر اور انکی متبع جماعت نے کیا ہے۔ اور دور نبوت کے اختتام کے بعد بھی اللہ کے ہزاروں صالح بندوں نے مختلف زمانوں میں اس کے لیے اپنے حسب مقدور کوششیں کی ہیں۔ ہم ضعفاء و عصاۃ بھی اسی کو اپنا مقصد حیات بنانا اور دوسروں

کو اسی کی طرف دعوت دینا چاہتے ہیں - ہم صاف کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے کوئی نیا اور اچھوتا کام نہیں ہے بلکہ "پرانی لکیر کی فقیری" ہی ہمارا مسلک ہے - ہم اس اُمت کی فلاح "نئے نظریوں" اور "نئے نظاموں" میں نہیں سمجھتے بلکہ ہمارا ایمان ہے کہ ہماری نجات و فلاح صرف اسی قدیم نظریے اور اُسی پرانے نظام میں ہے جو اللہ کی کتاب اور اسوۂ نبوی نے ہمارے لیے متعین کیا ہے ـــ

ولن یصلح اٰخر ھذہ الامۃ الا بما صلح بہ اولھا۔

(۳) "جماعت اسلامی" کا دستور دیکھ کر اور ہماری باتوں کو سُن کر بعض حضرات نے ناصحانہ انداز میں فرمایا ہے کہ دیوانے ہو گئے ہو؟ یہ کیا آوازیں منہ سے نکالتے ہو اور کیسے دور از کار منصوبوں میں وقت ضائع کر رہے ہو؟ جانتے ہو کہ خود تمہارے اوپر وہ طاقت مسلط ہے جسکے ایک ادنیٰ اشارے پر دولت مستقلہ ایران کے خود مختار بادشاہ کو اپنے تاج و تخت سے دست بردار ہو کر بیک بینی و دو گوش ایران ہی سے نکل جانا پڑا۔

درحقیقت یہ خیال ایسا ہے جو بہت سے سوچنے سمجھنے والے دلوں میں پیدا ہو سکتا ہے - لیکن "سوچنے سمجھنے والے" یہ حضرات ذرا اور سوچ سمجھ کر بتلائیں کہ انکی اس منطق کا نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ یہی نا کہ جب تک کفر طاقتور رہے اور باطل کو تسلط و اقتدار حاصل رہے اُس وقت تک اعلاء کلمۃ الحق اور تغلیب دین الٰہی کا تصور اور اسکے لیے ابتدائی تیاری بھی نہ کی جائے - ہاں جب کبھی کفر خود بخود سرنگوں ہو جائے، باطل بے جان ہو کر خود گرنے لگے اور طاقت و اقتدار اللہ کے صالح بندوں کے ہاتھوں میں آجائے تو اُس وقت یہ عباد صالحین اعلاء کلمۃ اللہ اور "اظہار دین حق" کے لیے اٹھیں؟ اگر ان ناصح بزرگوں کا مطلب یہی ہے تو براہ کرم وہ اپنی رائے پر نظر ثانی فرمائیں اور سوچیں کہ دینی، عقلی یا تجربی کسی حیثیت سے بھی ان کی یہ رائے درست ہے؟ اور کیا کوئی قوم، اور کوئی پارٹی اس اصول پر کسی وقت بھی اُٹھ کے کچھ کرنے کا ارادہ کر سکتی ہے؟ نیز غور فرمایا جائے کہ اگر قرون اولیٰ کے مسلمان

بھی اسی منطق کے قائل ہوتے تو کیا اسلام کا پیغام مکہ اور مدینے سے آگے بڑھ سکتا تھا؟ کیا ان کو ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوھم سنا سنا کے ڈراوے نہیں دیے گئے تھے؟ اور کیا اس سے بھی پہلے ایسے ہی کچھ کہنے والوں نے موسیٰ علیہ السلام سے اِنَّ فیھا قوماً جبارین وانا لن ندخلھا حتیٰ یخرجوا منھا فان یخرجوا منھا فانا داخلون نہیں کہا تھا؟ پھر خدا کی وحی نے اس بارہ میں جو فیصلہ کیا آج کے حالات میں کیا ہم اس سے کوئی روشنی اور ہدایت حاصل نہیں کر سکتے؟

اور اگر ان بزرگوں کی نصیحت کے سمجھنے اور اس کا منطقی نتیجہ نکالنے میں ہم سے غلطی ہو رہی ہے تو براہِ کرم ہماری اس غلطی کی وہ خود ہی تصحیح کر کے ممنون فرمائیں۔ اور اگر ان بزرگوں کا یہ خیال ہے کہ ہم لوگ اپنی ناتجربہ کاری اور ناعاقبت اندیشی کی بنا پر کسی "خطرناک اقدام" کے لیے پر تول رہے ہیں اور بس ابھی کود جانا چاہتے ہیں تو یہ محض خوش فہمی ہی کہی جا سکتی ہے ـــــ ہر کام کی طرح ہوتا ہے۔ ہر قدم صحیح وقت آجانے اور اسکے ضروری اسباب و وسائل مہیا ہو جانے ہی پر اٹھایا جا سکتا ہے ـــــ لیکن یہ اسباب و وسائل اور علیٰ ہذا ان اسباب کے ابتدائی اسباب بھی تو آپ سے آپ مہیا نہیں ہو جائیں گے۔ فتفکروا ولا تکونوا من المستعجلین۔

(۲) بعض حضرات نے "جماعت اسلامی" کی دعوت سُنکر فرمایا کہ اب سے کوئی سوا سو برس پہلے حضرت سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اسی تحریک کو لے کر کھڑے ہوئے تھے۔ ان کے اخلاص اور تقدس اور تقوے کا جو حال تھا وہ واقفین تاریخ کو معلوم ہے۔ انکے ساتھ مجاہدین کی اچھی خاصی تعداد بھی تھی، سامان جنگ بھی خاصا تھا، اور سب سے بڑھکر یہ کہ سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں ایسے صلحاء و اتقیاء ان کے رفقاء میں تھے جنکی آج ڈھونڈھنے سے بھی دو چار نظیریں نہیں مل سکتیں، بلکہ اخلاص و دینداری کے لحاظ سے پورے قافلے کا یہ حال تھا کہ گویا صحابہ کرام کا عہد پھر عود کر آیا ہے ـــــ

پھر جس باطل طاقت سے ان کا مقابلہ تھا آج کل کی منظم طاغوتی طاقتوں سے اُسے کوئی نسبت نہیں دی جاسکتی ـــــ تو اب جبکہ نہ وہ باخدا ہستیاں ہیں، نہ وہ ساز و سامان ہے، اور اس کے برعکس مخالف طاقتیں اُس وقت کے اعتبار سے بدرجہا طاقتور ہیں کیونکر اس قسم کی کسی تحریک کے کامیاب ہونے کی توقع کی جاسکتی ہے۔

"تجربہ کاری" کے مدعی بعض حضرات نے حضرت سید صاحبؒ کی تحریک کے علاوہ اسی کے ضمیمہ تحریک صادق پور (پٹنہ) اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی ماضی قریب کی تحریک کی ناکامی کا حوالہ دے کر بھی ہمکو یہی درس دیا ہے کہ اب زمانہ اس کام کے لیے سازگار نہیں رہا، اور اب اس راہ پر چلنا اپنی کوششوں اور اپنے وقت کو صرف ضائع کرنا ہے۔

درحقیقت "جماعت اسلامی" کے متعلق اب تک جو سوالات یا اعتراضات سننے میں آئے ہیں اُن میں سب سے زیادہ مایوس کن اور خطرناک یہی مغالطہ ہے اس لیے اس کا جواب کسی قدر تفصیل سے عرض کرنے کی ضرورت ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جن چند تحریکوں کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے ان کا انجام بظاہر ناکامی ہی پر ہوا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ کسی تحریک کی علمبردار جماعت کے شکست کھا جانے کے بعد اسکے بقایا (پس ماندگان) دو قسم کا اثر لیا کرتے ہیں، یا یوں کہنا چاہیے کہ دو حصوں میں بٹ جاتے ہیں۔ کچھ لوگ وہ ہوتے ہیں جو فاتح طاقت کی غیر معمولی طاقتوری سے مرعوب ہو کر تحریک ہی سے دست بردار ہو جاتے ہیں اور "رضا بالقضا" یا "مجبوری" کو تقاعد (ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے) کی پالیسی کا بہانہ بنا لیتے ہیں۔

اور دوسرا گروہ وہ ہوتا ہے جو شکست کے بعد بھی تحریک سے دست برداری و تقاعد پر راضی نہیں ہوتا، بلکہ وہ اپنی شکست کے اسباب کا کھوج لگاتا ہے، تحریک کی پوری سرگذشت اور پارٹی کی جدوجہد

کے تمام واقعات پر عمیق نظر ڈالتا ہے اور اس غور و فکر کے بعد وہ جن کمزوریوں، جن غلطیوں اور جن غفلتوں کو شکست کا باعث سمجھتا ہے اُنکو خاص طور سے پیشِ نظر رکھکر اور ماضی کے تمام تلخ و شیریں تجربات سے فائدہ اٹھاکر پھر سے جدوجہد کے لیے تیاری کرتا ہے - وہ پچھلی شکستوں سے یاس و ہراس کا سبق نہیں لیتا بلکہ انکو قدرت کا تازیانہ سمجھکر پہلے سے زیادہ آمادۂ عمل ہو جاتا ہے - یہ وہ گروہ ہوتا ہے جو اپنے جماعتی مقاصد ہی کے لیے جینے اور مرنے کا فیصلہ کیے ہوئے ہوتا ہے -

پہلے گروہ کے فیصلہ اور پالیسی کا انجام ہمیشہ جمود و تقاعد اور دوامی ذلت و محکومیت پر قناعت و صبر ہوتا ہے ——— اور دوسرے گروہ کے فیصلہ کا نتیجہ مسلسل جدوجہد اور آخرکار ایک دن حصول مقصد اور وصول بمنزل کی صورت میں نکلتا ہے ——— ان دونوں پالیسیوں کے یہ دو نتیجے اتنے ظاہر اور غیر مشتبہ ہیں کہ دُنیا کی انقلابی تحریکوں سے معمولی سی واقفیت رکھنے والا بھی کوئی شخص اور غالباً اوسط درجہ کی عقل رکھنے والا کوئی انسان بھی اس میں شک نہیں کرسکتا -

پھر اس سے بھی غالباً کسی کو انکار نہ ہوسکے گا کہ مقصد سے صحیح عشق رکھنے والوں کے لیے دوسرے ہی گروہ کا طریق کار لائق تقلید ہے - اور اگر فتح و ظفر کی توقع کبھی کی جاسکتی ہے تو اسی سے کی جاسکتی ہے -

مثال کے لیے دور جانے کی ضرورت نہیں - پچھلی جنگ عظیم میں جرمنی کی شکست کے بعد وہاں بھی یہ دونوں گروہ پیدا ہوئے، اور آج جو کچھ ہورہا ہے (خواہ اُس کا انجام کچھ ہی ہو) وہ دوسرے ہی گروہ کی پالیسی کا نتیجہ ہے -

قرآن پاک نے بھی اپنی پارٹی (حزب اللہ) کے لیے شکست کھاجانے کی صورت میں اسی طرف رہنمائی کی ہے ——— غزوۂ احد میں جب بعض خاص وجوہ سے ایمان والی جماعت کو شکست ہوئی تو ان کو ہدایت فرمائی گئی :

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَ
اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝
اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ
الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ۭ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا
بَيْنَ النَّاسِ ۝ (آل عمران - ۱۴ع)

اور (اس شکست کی وجہ سے) ہمت ہار کے نہ بیٹھ جاؤ اور غم نہ کھاؤ۔ تم ہی غالب رہو گے بشرطیکہ تمہارا ایمان پختہ اور سچا ہو۔ اگر اس جنگ میں تم پر چوٹ پڑی ہے تو اس سے پہلے ایسی ہی چوٹ دشمن کو بھی تمہارے ہاتھ سے (بدر میں) لگ چکی ہے۔ اور فتح و شکست کے یہ دن تو ہم قوموں میں ادلتے بدلتے رہتے ہی ہیں۔

پھر اسی سلسلہ میں چند آیتوں کے بعد ان شکست خوردہ مجاہدینِ اُحد کو سبق دینے ہی کے لیے پچھلے زمانہ کے بعض اُن پیغمبروں اور ان کے ساتھ جہاد کرنے والے مومنوں کا ذکر کیا گیا جنکو طاغوتی طاقتوں سے جنگوں میں بڑی بڑی مصیبتیں اور تکلیفیں بھی اُٹھانی پڑیں لیکن پھر بھی وہ ہمت ہار کے نہ بیٹھے بلکہ اپنی جدوجہد میں برابر لگے رہے۔ چنانچہ فرمایا گیا:

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ
كَثِيْرٌ فَمَا وَهَنُوْا لِمَا اَصَابَهُمْ فِيْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا
وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ
اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا
وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا
وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝
(آل عمران - ۱۵ع)

اور پہلے کتنے ہی ایسے نبی ہوئے ہیں جنکے ساتھ ہو کر بہت سے اللہ والوں نے جنگیں کی ہیں، پھر اللہ کے راستے میں ان پر جو مصیبتیں پڑیں اور جو سخت آفتیں آئیں انکی وجہ سے انھوں نے ہمت نہیں ہاری اور نہ سست ہوئے اور نہ عاجز و لاچار ہو کر بیٹھے (بلکہ ثابت قدمی کے ساتھ اپنی جدوجہد میں لگے رہے) اور اللہ ایسے صبر و ثبات والوں کو بہت چاہتا ہے اور (حد یہ ہے کہ دشمن کے مقابلہ میں پیش آنے والی مصیبتوں کی ان گھڑیوں میں بھی) ان اللہ والوں کی زبان سے اسکے سوا کچھ نہ نکلا کہ انھوں نے عرض کیا اے ہمارے رب! ہمارے گناہوں اور ہماری زیادتیوں کو بخشدے ہمکو اس جدوجہد میں ثابت قدم رکھ! اور کافروں پر ہمکو غالب کردے!!

قرآن پاک کی ان ہدایات اور اس حکمت عملی سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اسکے سخت خلاف ہے کہ اللہ کی راہ میں کام کرنے والے اور اعلاء کلمۃ الحق کے لیے جدوجہد کرنے والے کسی معرکہ کی شکست کو سند بنا کر ہمت ہار کے بیٹھ جائیں اور ہمیشہ کے لیے اپنے آپکو مایوس کرلیں ــــ بلکہ اس بارہ میں اسکی ہدایت یہ ہے کہ خدا کے سپاہی اس قسم کی شکستوں کو اپنے لیے قدرتی تازیانہ سمجھیں اور اُن مجاہدین فی سبیل اللہ کے نقشِ قدم پر چلیں جو شکست پر شکست کھانے اور مصیبتوں پر مصیبتیں اُٹھانے کے باوجود اپنی جدوجہد جاری رکھتے ہیں۔

حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی تحریکوں کا انجام یاد دلا کر ہم کو نصیحت کرنے والے یہ بزرگ للہ غور فرمائیں کہ کیا یہ آیتیں قرآن میں صرف تلاوت کے لیے ہی نازل ہوئی ہیں یا ان میں ہمارے لیے کوئی سبق اور ہدایت بھی ہے؟ نیز ذرا اس پر غور فرمایا جائے کہ اگر آپ کا یہ طریقہ فکر صحیح ہے تو کیا اس کا نتیجہ اسکے سوا کچھ اور ہو سکتا ہے کہ "اعلاء کلمۃ الحق کے لیے عملی جدوجہد" کے دفتر کو قیامت تک کے لیے لپیٹ کر رکھ دیا جائے؟ کیونکہ آپکی منطق کی رو سے تو جب تک حضرت سید احمد شہید اور شاہ اسمٰعیل شہید سے بھی اچھے اور بزرگ تر رہنما نہیں ملتے اور اُن کے جیسے صالح اور مخلص و متقی رفقا پیدا نہیں ہوتے، کوئی قدم اس مقصد کے لیے اُٹھایا ہی نہیں جا سکتا ــــ اور بظاہر اب ایسے لوگوں کی توقع نہیں۔ تو حاصل یہی ہوا نا کہ اب اس مسئلہ کو داخل دفتر ہی کر دیا جائے ــــ کیا فی الحقیقت آپ حضرات کا یہی فیصلہ ہے؟

نیز ذرا یہ بھی سوچا جائے کہ کیا حق و باطل کی آویزش کی ساری تاریخ میں حق کے حامیوں اور علمبرداروں نے ہمیشہ شکست ہی شکست کھائی ہے، یا کبھی اسکے خلاف بھی ہوا ہے؟ پھر آخر اپنے حق میں فیصلہ کرنے کے لیے صرف شکستوں ہی کو کیوں سامنے رکھا جاتا ہے اور کیوں صرف اسی ماتمی تاریخ کو دُہرایا جاتا ہے؟ تاریخ کے دوسرے روشن حصے سے کیوں سبق نہیں لیا جاتا؟ حالانکہ قرآن پاک نے

ایسے موقعے پر اسی دوسرے روشن حصے کی طرف خاص توجہ دلائی ہے (کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ)

اور قطع نظر اس ساری بحث سے، انجام کے متعلق آپکا خطرہ اور آپکا یہ سوچ بچار اگر خدانخواستہ صحیح بھی ثابت ہو تو بس زیادہ سے زیادہ یہی تو ہوگا کہ آج کی تحریک کا بھی وہی انجام ہو رہیگا جو اب سے ایک صدی پہلے حضرت سید صاحبؒ کی تحریک کا ہوا۔ تو کیا ایک مومن کے لیے یہ انجام کچھ کم قیمتی ہے؟ (ھل تربصون بنا الا احدی الحسنیین)

اور اگرچہ بظاہر وہ تحریک ناکامیابی پر ختم ہوئی اور اسکے علمبردار آخر بالاکوٹ میں شہید ہی ہو گئے لیکن کیا کوئی واقف کار اس سے انکار کر سکتا ہے کہ اس تحریک سے مسلمانان ہند کو کتنا عظیم دینی نفع پہونچا؟ اور کیا عجب کہ اُسی مقدس خون کی برکت ہو کہ وہ سبق آج تک اس کفرستان ہند میں یاد کیا جا رہا ہے۔

بعض حضرات ایسے بھی ہیں جو حضرت سید صاحبؒ کی تحریک اور حضرت شیخ الہندؒ کی اسکیم کی بظاہر ناکامی کو "تقاعد" کی پالیسی کی سند اور دلیل تو نہیں بناتے، البتہ وہ اس پوری تاریخ سے یہ نتیجہ نکال لیتے ہیں کہ اب "اعلاء کلمۃ الحق" کے لیے "جد و جہد" کے امکانات ختم ہو گئے ہیں۔ اب بس یہی صورت ممکن ہے کہ ملک میں جو فلاں فلاں تحریکیں چل رہی ہیں بس انہی سے اپنی کوششوں کو وابستہ کر دیا جائے اور اسکے بعد پھر انشاءاللہ یوں یوں ہو جائیگا۔

چونکہ اس خوش فہمی کے متعلق اب سے سال دو سال پہلے الفرقان میں بہت تفصیل سے لکھا جا چکا ہے نیز یہ مغالطہ بہت طویل بحث کا محتاج ہے، اس لیے یہاں اس بارہ میں کچھ نہیں عرض کیا جا رہا ہے۔ جو حضرات اس مغالطہ میں مبتلا ہوں اُن سے گذارش ہے کہ وہ مولٰنا سید ابو الاعلیٰ مودودی کی کتاب "سیاسی کشمکش" کا کم از کم "تیسرا حصہ" ضرور ملاحظہ فرمائیں، بلکہ "جماعت اسلامی" کے متعلق

کچھ سوچنے والے تمام حضرات کے لیے ضروری ہے کہ وہ پہلے اس کا مطالعہ ضرور فرمالیں، وہ اس جماعت اور تحریک کے بنیادی لٹریچر کا اہم ترین حصہ ہے۔

(۵) بعض لوگوں کو "دستور" میں "تجدید ایمان" اور "ادائے شہادتین" کا لفظ دیکھ کر یہ شبہ ہوا ہے کہ معاذ اللہ ہم اُن تمام مسلمانوں کو جو اس جماعت سے باہر ہیں مومن اور مسلمان ہی نہیں سمجھتے ہیں۔

خدا کی پناہ! بدگمانی بھی انسان کو بعض اوقات کہاں سے کہاں لے جاتی ہے ــــــ اس "تجدید ایمان" اور "ادائے شہادتین" کا مقصد تو صرف یہ ہے کہ "ایمان لانے" اور صدق دل سے سوچ سمجھ کر توحید و رسالت کی شہادت ادا کرنے سے جو ذمہ داریاں ایک مومن پر عائد ہوتی ہیں، جن کا ذکر "دستور" میں کر دیا گیا ہے، اُن کا احساس پھر تازہ ہو جائے اور انکو اچھی طرح ذہن نشین کر کے آدمی اُس جماعت میں داخل ہو جسکے داخلہ کی شرط بس ان ذمہ داریوں کی ادائیگی کا عہد و پیمان ہی ہے۔

نیز اس کا ایک خاص فائدہ یہ بھی ہے کہ خدا اور رسول پر واقعی ایمان رکھنے والے مومنین صادقین اور دین کے بنیادی اصولوں تک سے ناآشنا (بلکہ اُن کے منکرین تک) جس طرح "مسلمان قوم" میں آج گڈمڈ ہو رہے ہیں، اور "مسلمان سوسائٹی" کے مساوی درجہ کے ممبر سمجھے جاتے ہیں، یہ جماعت اس طرح کے خلط ملط سے محفوظ رہے۔ جو آئے خدا اور رسول پر ایمان رکھنے والا ایمان لانے والا ہی آئے۔ بہر حال "تجدید ایمان" اور "سمجھ بوجھکر ادائے شہادتین" سے ہماری غرض صرف یہی ہے۔ نہ یہ کہ ہم دوسرے سارے مسلمانوں کو "غیر مومن" سمجھتے ہیں۔ معاذ اللہ ان نکون من الغالین۔

خود ہماری نگاہوں میں بہت سے ایسے ایمان و صلاح والے ہیں جنکا ایمان اور جنکا ورع و تقویٰ خود ہمارے لیے لائق تقلید نمونہ ہو سکتا ہے۔ اور ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ ہم کو ان کے ان محاسن اعمال میں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے!

(۶) کچھ شکوک و شبہات اور اعتراضات وہ ہیں جن کا تعلق مولانا مودودی کی ذات

دیے ہیں۔[1]

ان میں کچھ اعتراضات تو وہ ہیں جو محض افترا و بہتان کے قبیل سے ہیں۔ اس قسم کے اعتراضات کے متعلق ہمکو کچھ بھی عرض کرنا نہیں ہے بجز اسکے کہ اللہ پاک ان لوگوں کو جھوٹ اور افترا سے بچنے کی توفیق دے، اور مسلمانوں کو اتنی سمجھ اور دیانت دے کہ وہ بلا تحقیق کسی کے متعلق اس قسم کی بدگمانیوں کو اپنے دلوں میں جگہ دینے کے لیے تیار نہ ہوں۔

ان کے علاوہ کچھ اور شبہات و اعتراضات بھی ہیں جن کے لیے فی الواقع کوئی منشا اور منکشتہ ہو سکتا ہے اور صرف انہی کے متعلق یہاں کچھ عرض کرنا ہے۔

مثلاً بعض حضرات کو انکے فقہی مسلک پر اعتراض ہے۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ اس بارہ میں بالکل متضاد قسم کے اعتراضات خود میرے علم میں آئے ہیں۔ مثلاً بعض انتہا پسند قسم کے غیر مقلد حضرات کو اُن پر اعتراض ہے کہ وہ تقلید اور آرار فقہا سے پورے آزاد نہیں۔ اور اسکے برعکس بعض سخت قسم کے مقلد حضرات سے میں نے خود سنا کہ اُن میں غیر مقلدی کا رنگ ہے ـــــ اور اس تضاد رائے میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ اصولی درجہ میں اُن کا مسلک اور طریق عمل اس بارہ میں وہ ہے جو حنابلہ میں حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیمؒ کا اور حنفیہ میں حضرت شاہ ولی اللہ (قدس سرہم) کا تھا۔ اور ان حضرات کے متعلق بھی یہی کھینچا تان آج تک باقی ہے۔

[1] مولانا کے مضمون کا یہ حصہ یہاں بادل ناخواستہ نقل کیا جا رہا ہے۔ میں نے ان صفات کو اپنے ذکر سے آلودہ کرنا کبھی پسند نہیں کیا۔ مگر افسوس کہ ایک گروہ اللہ کے بندوں کو اللہ کے راستے سے روکنے کے لیے کسی اصولی اعتراض کی گنجائش نہ پا کر خواہ مخواہ میری ذات کو نشانۂ ملامت بنا رہا ہے نہ اسلیے کہ مجھے مطعون کرنا مقصود ہے بلکہ اصل مقصد اس کام سے بندگانِ خدا کو روکنا ہے جسکی طرف بلانے کا جرم میں نے کیا ہے۔ لہذا مجبوراً انہیں بھی گوارا کرنا پڑ رہا ہے کہ جو صفات دعوتِ حق کے لیے مخصوص کیے گئے تھے وہ میرے ذکر سے ملوث ہوں۔ ابھی نہیں معلوم کہ اس کام کے لیے اور کیا کیا برداشت کرنا پڑے۔

اس نقشِ پا کے سجدہ نے کیا کیا ذلیل
میں کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گیا

(م)

بعض دوسرے حضرات کو انکے اس رویہ پر اعتراض ہے کہ وہ دین کے قدیم حقائق کو اُن جدید اصطلاحات سے تعبیر کرتے ہیں جنکے موضوع لہا کچھ اور ہیں، اور جو خالص مادی فلسفہ کی پیداوار ہیں۔ اس سے انکو یہ خطرہ ہے کہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ یا کم از کم اس کا تجدد پسند حصہ دینی حقائق کو انھیں اصطلاحات کی خراد پر چڑھانے لگے گا اور مولانا مودودی کا یہ طریق عمل ان کے لیے تائیدی سند بن جائیگا۔

بعض اور حضرات کو انکی "غیر مولویانہ" وضع پر بھی اعتراض ہے۔

اس قسم کی تمام چیزوں کے متعلق صرف یہ عرض کرنا ہے کہ اگر اللہ نے آپ کو دین کا صحیح علم دیا ہے تو برائے خدا سوچیے کہ کیا ان میں سے کوئی چیز بھی اتنی اہم اور اتنی سنگین ہے کہ اسکی وجہ سے نفس جماعت کی مخالفت کرنا آپ کے لیے ضروری یا درست ہو؟ کیا آپ جیسا "پکا غیر مقلد" یا "پکا مقلد" ہونا بھی شرائط ایمان اور ضروریات اسلام سے ہے؟ — یقیناً ایسا نہیں ہے! — علیٰ ہذا آپ کو اُن کی جن تعبیرات اور جس طرز کلام پر اعتراض ہے اس کو آپ زیادہ سے زیادہ حکمت اور احتیاط کے خلاف ہی تو کہہ سکتے ہیں بالخصوص جبکہ اُن "جدید اصطلاحوں" کے استعمال کے ساتھ اصل مسائل کی پوری تشریح بھی ہوتی ہے جس کے بعد وہ خطرہ باقی نہیں رہتا۔ تو کس دلیل شرعی سے اس تعبیر کو آپ حرام اور اس درجہ کا ممنوع سمجھتے ہیں کہ اُس کا مرتکب جس جماعت کا قائد اور امیر ہو اس کی مخالفت آپ کے لیے ضروری ہو جائے؟

اسی طرح جس "مولویانہ وضع" میں آپ ان کو نہیں دیکھتے کیا اسکے بارہ میں کوئی ایسی نص ہے جسکی وجہ سے اُس سے تجاوز حرام یا ناجائز ہو؟

اگرچہ ان امور میں خود میرا مذاق اور میرا مسلک اُن سے الگ ہے اور میں اپنے مذاق اور اپنے مسلک ہی کو بہتر سمجھتا ہوں۔ لیکن اس گذارش سے میری غرض یہ ہے کہ یہ چیزیں اس قسم کی نہیں ہیں کہ انکو اتنی اہمیت دی جائے اور انکی بنیاد پر "جماعت اسلامی" سے اختلاف یا اس

کی مخالفت کی جائے۔ بالخصوص جبکہ انکی حیثیت "جماعت" کے "امیر مطلق" کی بھی نہیں ہے، اور جبکہ "جماعت" کی دعوت محض عقیدے اور مسلک کی طرف ہے نہ کہ ایضاً امیر کی شخصیت اور اسکی امارت کی طرف، اور جبکہ "جماعت" اپنے مفاد کے تحفظ کے لیے امیر کو معزول کرنے کی بھی مجاز ہے (ملاحظہ ہو دستور کی دفعہ امتعلقہ امارت)

مولنا مودودی کے متعلق ایک آخری اور جامع بات یہ اور عرض کرنی ہے کہ ہمارے نزدیک وہ علم دین میں اچھی بصیرت رکھنے والے بس ایک مومن ہیں، ہم نے ان کو فرائض کی ادائگی اور معصیات سے اجتناب کا عملاً اہتمام کرنے والا بھی پایا، اور "جماعت اسلامی" کے نصب العین کے پیش نظر اسکے قائد اور امیر میں جو خاص صلاحیتیں ہونی چاہییں وہ بھی ہم نے ان میں سمجھیں، اور اس پوری جماعت میں جو تاسیس کے وقت لاہور میں موجود تھی مجموعی حیثیت سے اس منصب کے لیے انہی کو سب سے زیادہ اہل دیکھا۔ اور صرف اسی بنیاد پر ہم نے ان کا انتخاب کیا ہے نہ اس لیے کہ ہمارے نزدیک وہ دنیائے اسلام کے سب سے بڑے عالم اور سب سے بڑے متقی اور خدارسیدہ شخص ہیں اور نہ وہ خود اسکے مدعی ہیں۔ اِس قسم کے غلو اور اطراء سے ہم خدا کی پناہ چاہتے ہیں۔

دردمندانہ دعوت اور مخلصانہ گذارش

"جماعت اسلامی" کا دستور آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں، اسکی حیثیت اور حالت کے متعلق جو کچھ یہاں عرض کیا گیا وہ بھی آپکی نظر سے گذر چکا ہے۔ جو شکوک و شبہات عام طور سے پیدا ہوتے ہیں یا پیدا کیے جاتے ہیں ان کی حقیقت بھی آپکو معلوم ہو چکی ہے۔ اب آپ اپنی دینی اور ایمانی ذمہ داریوں کو پوری طرح ملحوظ رکھ کے غور فرمائیں اور خوب اچھی طرح غور فرمائیں کہ جو "جماعت" ان مقاصد کے لیے اٹھی ہے اور جسکے اصول اور شرائط یہ ہیں وہ آپ کی طرف سے کس رویہ کی

مستحق ہے؟ اور آپ کے "دین و ایمان" کا مطالبہ اس کے بارہ میں کیا ہے؟ یہاں روپیہ پیسہ کے چندہ کا آپ سے سوال نہیں ہے بلکہ بس

"درکار ہیں دیوانے چند"

پس اگر ہماری طرح آپ بھی اس جماعت کی شرکت اور اسکے ساتھ تعاون کو اللہ تعالےٰ کی خوشنودی اور آخرت کی بہبودی کا ذریعہ سمجھتے ہیں، اور دنیا میں جو کچھ آج ہو رہا ہے کم از کم اسی سے عبرت حاصل کر کے محض اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے اور صرف اللہ کے نام پر کچھ کام کرنے کی تڑپ آپ کے دل میں پیدا ہوتی ہے، اور اُس کے لیے آپ اس "جماعت" کی اختیار کردہ راہ کو صحیح سمجھتے ہیں، تو بسم اللہ! آپ بھی اس "جماعت" میں شریک ہو جائیے اور اپنے گرد و پیش اور اپنے حلقۂ احباب و اقارب میں اس دعوت کو پھیلائیے۔ اور مزید معلومات حاصل کرنے کی ضرورت ہو تو جماعت کے مرکز (دفتر ترجمان القرآن مبارک پارک لاہور) سے مراسلت کیجیے۔ اور اگر آپ کے لیے آسان ہو تو ملاقات کر کے معاملہ کو زبانی سمجھیے۔ جن حضرات کو بہ نسبت مولٰنا مودودی امیر "جماعت اسلامی" (لاہور) کے سرائے میر ضلع اعظم گڈھ میں مولٰنا امین حسن اصلاحی سے، یا لکھنؤ میں مولٰنا سید ابوالحسن علی ندوی شیخ التفسیر دار العلوم ندوۃ العلماء سے، یا کپورتھلہ میں مولٰنا سید جعفر صاحب خطیب سے، یا بریلی میں راقم سطور مدیر الفرقان سے ملنا آسان ہو تو وہ ان تینوں جگہوں میں سے کسی ایک جگہ پہنچکر بھی "جماعت اسلامی" کے متعلق مزید معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔[1]

اور اگر بالفرض آپ ہمارے عقیدے، ہمارے نصب العین، اور طریقہ کار کو صحیح سمجھتے ہوں لیکن ہماری شخصیتوں پر آپ کو کسی طرح بھی اعتماد نہ ہو سکے تو پھر ہم نہایت کھلے دل سے آپ سے

---

[1] جنوبی ہند کے لوگ مولٰنا سید صبغۃ اللہ صاحب بختیاری (استاذ جامعۂ دار السلام عمر آباد) سے، اور مشرقی ہند کے حضرات مولٰنا مسعود عالم صاحب ندوی (مہندرو - پٹنہ) سے بھی رجوع کر سکتے ہیں۔ سیالکوٹ میں مولانا محمد علی کاندھلوی سے بھی رجوع کیا جا سکتا ہے۔

عرض کرینگے کہ آپ بجائے اسکے کہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں اور عمر کے اِن قیمتی لمحات کو کچھ "فرشتوں" کی آمد کے انتظار میں ضائع کریں، لِلّٰہ اسی راہ پر آپ خود چل پڑیے۔

اگر اس مقصد کے لیے اور اس طریقہ پر کام کرنیوالی چند جماعتیں بھی ہم سے الگ بن جائیں تو ہم کو رقابت نہ ہوگی بلکہ مسرت ہوگی کہ الحمد للہ اور کچھ قافلے اسی راہ پر چلے۔

ہم اس واقعی حقیقت کو اس وقت نظر انداز نہیں کر سکتے کہ ہمارے کردار اور ہماری سیرتوں میں کوئی ایسا امتیاز نہیں ہے کہ سب ہم پر اعتماد کر کے ہمارے ساتھ ہی ہو جائیں۔ اس لیے اُن سے یہ تو ہم ضرور عرض کرینگے کہ آپ جاہلیت کی راہوں پر چل کر وقت کو ضائع اور دین کے مفاد کو تباہ نہ کیجیے بلکہ اسلام کی راہ پر آئیے لیکن اس پر ہم اصرار نہ کرینگے کہ خواہ مخواہ آپ ہمارے ہی اوپر اعتماد کیجیے اور ہمارے ہی ساتھ ہو کر چلیے ورنہ اس راہ سے ہٹ جائیے ——— بلکہ ہم صاف کہتے ہیں کہ جن لوگوں کو ہم پر اعتماد نہ ہو اور دوسرے رفیق یا قائد انکو قابلِ اعتماد مل جائیں تو وہ انہی کے ساتھ ہو کر اسی لائحۂ عمل کے مطابق کام شروع کر دیں ہم یقین واثق رکھتے ہیں کہ اگر اخلاص اور للہیت کے ساتھ چند جگہ بھی یہ کام شروع ہوگا تو انشاء اللہ ایک دن ہم سب ایک ہی ہو جائینگے جو بزرگ صرف مولانا مودودی کی ذات کو درمیان میں ڈال کر مخالفت کر رہے ہیں یا کرنا چاہتے ہیں ان سے خاص طور پر یہ گذارش ہے۔ وہ لِلّٰہ ٹھنڈے دل سے اس پر غور فرمائیں ورنہ سوچیں کہ ان کا "عذر" اور "جواب" کیا ہوگا۔

ممکن ہے بعض حضرات اس وقت مخالفت کے جوش میں ان میں سے کسی نقطہ پر بھی غور نہ فرمائیں لیکن کسی وقت انکو اپنی روش پر ضرور افسوس کرنا پڑیگا اور بہت ممکن ہے وہ وقت اُنکی زندگیوں ہی میں آجائے۔

فستذکرون ما اقول لکم وافوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد۔